بسم اللہ الرحمٰن الرحیم **مشاہدات وتاثرات**

10 جولائی 2012

تربیت

ہمارا المیہ: دنیا بھر میں ہمارا شمار ناکام ترین ممالک کے ساتھ ہوتا ہے۔ عالمی رائے کوئی ایسی غلط بھی نہیں لیکن یہ تصور ہم عوام کے بارے میں ہے۔ پاکستان کے بارے میں نہیں کیونکہ پاکستان کا وجود قدرتِ ربانی کا مظہر ہے۔ میرے وجدان کے مطابق پاکستان ان شاء اللہ آئندہ بہت بلند مقام حاصل کرے گا۔

ہماری کارکردگی واقعتاً شرمناک ہے۔ لیکن نا اُمیدی کی بات نہیں کہ ۔ خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

ہماری قوم کے اندر بے پناہ صلاحیت موجود ہے۔ بدقسمتی سے ہماری تربیت نہیں کی گئی۔ بامقصد تعلیم یعنی علم نافع کی بھی کمی ہے لیکن اصل المیہ یہ ہے کہ تربیت کی طرف کسی کی توجہ ہی نہیں۔ بقول اقبال تربیت تعلیم سے زیادہ ضروری ہے۔ ہمیں جتنا نقصان پہنچایا ہے وہ پڑھے لکھے ڈاکوؤں نے پہنچایا ہے۔ اگر تربیت ہوتی تو اپنی تعلیم سے اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچاتے انہیں دونوں ہاتھوں سے نہ لوٹتے۔ ڈاکو کے ہاتھ میں نشتر ہو تو خطرناک۔ تربیت یافتہ بےلوث سرجن کے ہاتھ میں تو شفا کا ذریعہ۔

ذیل میں تربیت کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کے کچھ مشاہدات پیشِ خدمت ہیں۔ ان سے اندازہ ہوگا کہ تربیت کے میدان میں ہم کیسی محروم قوم ہیں۔

والدین کی تربیت: انسان کی سب سے پہلی تربیت تو اس کے والدین کرتے ہیں۔ میری والدہ مرحومہ نے مجھے شرم وحیا، عزتِ نفس، عجز وانکساری اور صبر واستغنٰی کی تربیت دی۔ والد صاحب مغفور نے توحید، ڈسپلن، عدل وانصاف، دوسروں سے ہمدردی اور فیض رسانی کی تربیت دی۔

اس بات کی وضاحت کیلئے چند مشاہدات ملاحظہ فرمائیں:-

1۔ بچپن سے ہی والد صاحب نے نماز کا عادی بنایا۔ جب سے ہوش سنبھالا گھر میں باجماعت نماز کا چلن دیکھا۔ رمضان المبارک میں گھر پر ہی تراویح میرے چچا پڑھاتے۔ بعدازاں میرا چھوٹا بھائی پڑھانے لگا۔

والد صاحب خاندان کے بچوں کو تعلیم کیلئے اپنے ہاں رکھتے تھے۔ ہر دور میں دو چار لڑکے تو ہوتے ہی تھے۔ یہ بچے سکولوں میں پڑھتے۔ گھر میں ہوسٹل کا سا سماں رہتا تھا۔ میری والدہ ان کی خدمت کرتیں اور والد ان کی تربیت کرتے۔ میرے دور کے یہ لڑکے میرے ہم عمر تھے۔ ہمیں گھر پر باجماعت نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ نماز کا رجسٹر ہوتا تھا۔ حاضری ہم خود ہی لگاتے۔ ہر نماز پڑھنے پر نقد انعام کا ایک ریٹ مقرر تھا۔ نماز یں چھوڑنے پر کئی گنا زیادہ جرمانہ ہوتا۔

گھر پر والد صاحب کے ملاقاتی آتے تو وہ بھی باجماعت نماز میں شریک ہو جاتے۔ بعض دفعہ غیر مسلم ملاقاتی بھی جماعت میں شریک ہوئے۔ گھر پر نماز سے پہلے اذان ہوتی۔ GOR لاہور میں ایک بہت ہی سینئر افسر نے جو ہمسایہ تھا، والد صاحب کا گھر تبدیل کر دیا کہ اذان سے اس کے معمولات میں دخل ہوتا تھا۔

2۔ جب میں نے تعلیم مکمل کرلی تو ملازمت کی تلاش میں والد صاحب مجھے کراچی لے گئے۔ یہ 1953 کی بات ہے۔ ان دنوں کراچی ایک چھوٹا سا شہر ہوتا تھا۔ ٹریفک ہلکا اور ٹریفک کی لال پیلی بتیاں اِکا دُکا ہوتی تھیں لاہور میں ابھی نہ آئی تھیں۔ ہم ایک دفعہ بندر روڈ پر پیدل جارہے تھے تو والد صاحب نے مجھے سمجھایا کہ سڑک پر جس طرح سواریاں ٹریفک کے قوانین کا خیال رکھتی ہیں اسی طرح پیدل چلتے لوگوں کو بھی ان قوانین کا احترام کرنا پڑتا ہے۔ یہ تربیت کا ایک انداز تھا۔

3۔ مجھے انجینئرنگ کی تربیت کیلئے سویڈن جانا پڑا ڈیڑھ برس کیلئے۔ مجھے رخصت کرتے وقت والد صاحب نے مجھ سے وعدہ لیا کہ پنج وقتی نماز کی پابندی کروں گا۔ مزید یہ فرمایا کہ وہاں نمازوں کی بروقت ادائیگی کیلئے ماحول سازگار نہیں۔ ہر جگہ ہروقت نماز ادا کرنا شاید ممکن نہ ہو تو ایسی

صورت میں گھر واپس آکر سب قضا نمازیں ادا کرنا روزانہ رات کو سونے سے پہلے پانچ نمازوں کی گنتی لازماً پوری کرنا۔

4۔ جب مجھے پاکستان میں ملازمت ملی تو والد صاحب نے اپنے تجربہ کی بنیاد پر بتایا کہ افسران بالا ناجائز کاموں کے زبانی احکام دینے کے عادی ہیں۔ اگر تمہیں کوئی غلط کام کرنے کو کہا جائے تو ادب سے کہنا کہ میں تو آپ کے احکام کی تابعداری کروں گا لیکن میرا ضمیر ایسا کرنے کا پابند نہیں۔ مزید تاکید کی کہ ایسے احکام کو بالکل نہ ماننا۔

تربیت بذریعہ ذاتی مثال: تربیت نصیحتوں سے بھی کی جاتی ہے البتہ موثر طریقہ تربیت کا یہ ہے کہ ذاتی عمل اور مستقل مزاجی سے لواحقین کی کردار سازی کی جائے۔ ذیل میں اس خاموش اسلوب تربیت کی چند مثالیں درج ہیں جو ہمارے والد صاحب نے ہمارے لئے مشعلِ راہ بنائیں۔

5۔ جب مجھے ملازمت ملی تو والد صاحب نے سمجھایا کہ اچھی ایڈمنسٹریشن یعنی گوڈ گورنس کیلئے لازمی ہے کہ ایڈمنسٹریٹر فیصلے میرٹ پر کرے جو منصفانہ ہوں پھر اپنے فیصلہ پر ڈٹ جائے۔ ان کے الفاظ بار بار یہی ہوتے کہ فیصلے Fair and Firm ہوں۔

6۔ ہمارے والد صاحب 18۔ برس کی نوخیز عمری میں یتیم ہوگئے۔ ابھی سلسلہ تعلیم بھی جاری تھا کہ چھوٹی بہن اور دو بھائیوں کی ذمہ داری ان پر آن پڑی۔ پہلے دن سے ہی حساب کتاب پائی پائی کا رکھا گیا تاکہ مشترکہ زرعی جائیداد میں سے چھوٹی بہن اور بھائیوں کی حق تلفی نہ ہو۔ یہ حساب اتنی محنت سے اور دیانت سے تیار ہوا کہ یہ اس زمانہ کی سماجی اور معاشرتی تاریخ بن گیا۔ مثلاً پتہ چلتا تھا کہ اس زمانہ میں ریل کا کرایہ ملتان تا لاہور کتنا ہوتا تھا۔ سکول کی فیس کیا ہوتی تھی۔ شادی بیاہ کے موقع پر کیا لین دین ہوتا تھا۔ ایک جوڑ الباس کتنے میں آتا تھا۔ بچوں کو عیدی کتنی دی جاتی تھی وغیرہ وغیرہ اور یہ کہ بہن اور بھائیوں پر کیا خرچ ہوا اور والد صاحب اور اُن کی فیملی پر کتنا لگا، یہ حساب کتاب پورے 50 برسوں تک رکھا گیا۔ احتیاط کیلئے ہر کھاتہ، رجسٹر اور روزنامچہ کی دو دو نقلیں رکھی گئیں۔ 50۔ برسوں کے بعد والد صاحب نے ہر فریق کی آمدنی اور خرچ کا حساب ایک مشترکہ اجلاس میں پیش کیا اور بے باق کیا۔ الحمدللہ۔

جب میرے دادا کا انتقال ہوا، میرے والد کی منگنی ہو چکی تھی۔ دادا نے ہونے والی بہو کیلئے زیور بھی بنالیا تھا۔ جب دادا کا انتقال ہوا تو والد صاحب نے کہا کہ یہ زیور سب ورثاء کا ورثہ ہے۔ اس پر میرا حق نہیں کہ شادی نہیں ہوئی۔ اس زیور کی قیمت ادا کرنے کا ذمہ لیا۔

7۔ بہن بھائیوں کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم و تربیت کی۔ پھر خاندان میں ان کی شادیاں کیں۔ باہمی محبت و احترام کا یہ حال تھا کہ بہن بھائی انہیں والد کا قائم مقام سمجھتے رہے۔ الحمدللہ۔

ایک بھائی پنجاب میں محکمہ جیل خانہ کے آئی جی ریٹائر ہوئے۔ اُن کی دیانت کا یہ حال تھا کہ اتنے بڑے عہدے سے ریٹائر ہوئے اس وقت ان کے پاس ذاتی کار نہ تھی۔ ریٹائرمنٹ پر گھر جانے کیلئے ریل کا کرایہ بھی موجود نہ تھا۔ قرض لینا پڑا۔

دوسرے بھائی کو حفظ کروایا۔ ڈاکٹری کی تعلیم دلوائی۔ یہ فوج سے بطور ڈاکٹر کرنل ریٹائر ہوئے۔

8۔ والد صاحب سرکاری ملازم تھے۔ اونچے عہدوں پر فائز رہے۔ رواج کے مطابق لوگ بڑے تحفے تحائف گھر پر بھیجتے۔ ایک بھی قبول نہ ہوتا سب واپس جاتے۔ فرماتے یہ تحائف رشوت ہی تو ہیں۔ پاکستان بننے سے پہلے ہندو دیوالی کے موقع پر افسرانِ ضلع کو مٹھائیاں اور فروٹ بھیجا کرتے تھے۔ ہمارے ہاں سب واپس جاتے الا یہ کہ کوئی ملازم بالا بالا سمیٹ لے۔

9۔ والد صاحب ضلع میں دورہ پر جاتے تو ریسٹ ہاؤس میں قیام ہوتا۔ اپنا باورچی اور خورد ونوش کا سامان ساتھ لے جاتے۔ پٹواریوں، نائب تحصیلداروں کو اہتمام نہ کرنا پڑتا۔

10۔ والد صاحب سارے معاملے میرٹ پر کرتے۔ سفارش کسی کی نہ مانتے اگرچہ ردِ سفارش حسنِ اخلاق سے کرتے۔ اس ضمن میں دو واقعات پیش ہیں جب وہ زرعی زمینوں کی اپیلیں سنا کرتے تھے:-

(الف) ایک دفعہ فرمایا کہ پنجاب کے بہت بڑے لینڈ لارڈ کے خلاف اپیل آئی تو میں نے دیکھا کہ روزانہ ایک معزز شخص عدالت میں موجود تو ہوتا ہے لیکن کوئی ذمہ داری اس کی نہیں ہوتی۔ آخر ایک دن میں نے ان سے پوچھ لیا کہ آپ کون ہیں؟ کہا میرا اس مقدمہ سے کوئی تعلق نہیں مجھے تو گورنر پنجاب نواب کالاباغ نے اِن لینڈ لارڈ کی اخلاقی مدد کیلئے بھیجا ہے۔ فیصلہ لینڈ لارڈ کے خلاف ہوا۔

گورنر کالاباغ والد صاحب کے ساتھ آچیسن میں پڑھتے تھے لیکن سفارش نہ کی۔

(ب) ایک اور موقع پر فرمایا کہ ایک غریب بے وسیلہ شخص نے اپیل کی ہوئی تھی۔ حق تو اسی کا بنتا تھا لیکن اسے امید بالکل نہ تھی کہ ایک بڑے بااثر شخص کے خلاف اس کی اپیل منظور ہوگی۔ جب فیصلہ اس کے حق میں سنایا گیا وہ شخص دیوانہ وار بے ساختہ نعرہ لگانے لگا۔ ''ایوب خان زندہ باد''۔ یہ ایوب خان کے مارشل لاء کا زمانہ تھا۔

11۔ والد صاحب حاجتمندوں کی بے لوث خدمت کرنے کیلئے بلاطلب مواقع تلاش کرتے۔ اپنی صحت انکی اچھی نہ تھی اس لئے بیماروں معذوروں کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ حج پر مجھے ساتھ لے گئے اور ڈاکٹروں سے پوچھ کر ایک بڑا تھیلا ان ادویات کا میرے سپرد کیا جن کی ضرورت حج کے دنوں میں حجاج کرام کو پڑسکتی ہے۔ حرمین شریفین میں یہ ادویات ساتھ رہتیں۔ لوگ مجھے ڈاکٹر سمجھنے لگے۔ ایک مرتبہ سعی کے دوران انہوں نے دیکھا کہ ایک عمر رسیدہ ترک خاتون تھکاوٹ سے نڈھال ہو کر گر گئی ہے انہوں نے فوراً ادویات کا تھیلا مجھ سے لیا۔ کورامین کی ایک خوراک اس عورت کو دی۔ پانی پلایا۔ وہ سنبھل گئی۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو والد صاحب کا چہرہ فرطِ مسرت سے کھل اٹھا۔ اکثر اس واقعہ کو یاد کرتے تو خوش ہو جاتے۔

12۔ پاکستان بننے کے فوراً بعد والد صاحب کو لیہ میں SDO بنایا گیا۔ لیہ اُن دنوں مظفر گڑھ ضلع کی سب ڈویژن کا درجہ رکھتا تھا۔ اب تو ضلع بن چکا ہے۔ ان دنوں سب ڈویژن کا سربراہ SDO ہی ہوا کرتا تھا۔

اُن دنوں لیہ میں ہندو بہت رہتے تھے اور تھے بھی امیر۔ لیکن سہمے ہوئے تھے۔ اس انتظار میں تھے کہ ان کی باری جب آئے فوج کی نگرانی میں بھارت حفاظت سے چلے جائیں۔ خود کو غیر محفوظ سمجھتے تھے لوٹ مار کے خوف سے اپنا مال متاع اونے پونے فروخت کرنے لگے۔ والد صاحب نے مقامی مسلمان خریداروں پر یہ ٹیکس لگایا کہ حکومت کے قائم کردہ قائداعظم ریلیف فنڈ میں ہر خریداری پر مقرر کردہ شرح کے حساب سے رقم جمع کرائیں جو انہیں گراں گزرتی تھی۔ اس طرح بہت ساری رقم اکٹھی ہوئی جو بعد میں بھارت سے آئے ہوئے مہاجرین پر خرچ ہوئی۔

والد صاحب نے ہندوؤں کی ایسی حفاظت کی کہ لیہ میں کوئی لوٹ مار یا قتل و غارت نہ ہوئی۔ الحمدللہ۔

یہ بات کچھ لوگوں کو پسند نہ آئی۔ یہ مشہور کر دیا گیا کہ SDO نے ہندوؤں سے رشوت لیکر انہیں حفاظت دی ہے چنانچہ انہوں نے والد صاحب کو قتل کرنے کیلئے اجرتی قاتلوں کا ایک جتھہ باہر سے لیہ میں بلوایا۔ فوجی سپاہی جو حفاظت پر مامور تھے انہیں بھی بہلا پھسلا کر رام کر لیا گیا۔ لیکن اللہ پاک نے اس سازش کو اپنی قدرت سے بے نقاب کیا۔

ملتان میں موجود فوجی قیادت نے سپاہیوں کو راتوں رات واپس بلا لیا۔ نئے سپاہی آ گئے اور سازش ناکام ہوگئی حالانکہ قتل و غارت اور لوٹ مار کرنے والے لیہ میں پہنچ چکے تھے۔ اللہ پاک نے معجزاتی طور پر حفاظت کی۔ طوالت کے خوف سے اس ڈرامائی واقعہ کو بیان نہیں کیا جا رہا۔

ہندو آبادی جب تک رہی امن سے رہی۔ رخصت ہوئے تو اپنا سب سامان ساتھ لے گئے۔

13۔ ہندوؤں کے چلے جانے کے بعد بھارت سے لٹے پٹے مہاجرین لیہ میں پہنچے تو ان کی انتھک اور بے لوث خدمت کی گئی۔ ہندوؤں کے چھوڑے ہوئے مکانوں میں انہیں آباد کیا گیا۔ دکانیں الاٹ ہوئیں۔ گھر کا سامان مہیا کیا گیا۔ بیماروں کا علاج کیا گیا۔

پاکستان کے اِن ابتدائی دنوں میں ہر طرف انتظامی سطح پر افراتفری کا عالم تھا۔ صوبائی خزانہ خالی تھا۔ ہنگامی حالات سے نپٹنے کیلئے کوئی طریقہ کار تھا نہ ضابطہ۔ لیہ ایک دور افتادہ جگہ ہے۔ لاہور سے رابطہ بھی ممکن نہ تھا اور ان دنوں میں آمد و رفت بھی مشکل تھی۔

ٹرین ہفتہ میں صرف ایک دن چلتی۔ ایسے حالات میں کہیں سے مدد کا ملنا بھی محال تھا لیکن والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ انہیں مہاجرین کی آبادکاری میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ انتظامی اصول اور ضابطے تو وہ خود وضع کر لیتے اور رقم کی کمی بھی کبھی محسوس نہ ہوئی۔ پہلے ذکر آ چکا کہ قائداعظم ریلیف فنڈ انہوں نے اپنے طور اکٹھا کروایا۔ پھر بقر عید پر قربانی کی کھالیں اکٹھی کروائیں اور ان کی آمدنی ہوئی۔ اس طرح مہاجرین کی خدمت دل کھول کر ہوئی۔ والد صاحب نے پولیس کو مہاجرین کی خدمت پر مامور کیا۔ میں ان دنوں لاہور میں پڑھتا تھا۔ چھٹیوں پر جب گھر آتا تو مجھے حکم ہوتا کہ پولیس والنٹیر ٹیم میں شامل ہو کر گھروں میں جا جا کر مہاجرین کی ضروریات کا پتہ کروں۔

14۔ لیہ کے بعد والد صاحب کو لائل پور یعنی فیصل آباد میں تعینات کیا گیا۔ اس ضلع میں ہندوؤں اور سکھوں کی چھوڑی ہوئی جائیداد سب ضلعوں سے زیادہ تھی۔ اسی طرح آبادکاری بھی سب سے زیادہ مہاجرین کی یہاں ہونا تھی۔ بتائید ایزدی یہ مشکل کام احسن انداز میں مکمل ہوا۔ اس وقت گورنر پنجاب جناب اختر حسین کہا کرتے تھے کہ آبادکاری کا سب سے زیادہ کام لائل پور میں ہے اور میں صرف اسی ضلع کی کارکردگی کے بارے بے فکر ہوں۔

سکول کی تربیت 15۔ میں ایچیسن کالج میں پڑھتا رہا ہوں۔ ہر ہوسٹل میں تمام لڑکے اکٹھے کھانا کھایا کرتے تھے۔ میرے ہوسٹل میں تیس چالیس لڑکے تو ہوتے ہونگے۔ ایک دفعہ رات کے کھانے کے وقت اچانک انگریز پرنسپل آن پہنچا۔ اس نے کہا کہ میں آپ لوگوں کے کمروں سے ہو کر آیا ہوں۔ سب کمروں میں بتیاں جل رہی ہیں حالانکہ سب کمرے خالی پڑے ہیں۔ کوئی بھی موجود نہیں۔ چنانچہ سب لڑکے اپنا کھانا چھوڑ کر ابھی اٹھیں اور بتیاں بند کر آئیں۔ آئندہ کیلئے یہ اصول بتایا کہ کمرے سے آخر میں نکلنے والے لڑکے کی ذمہ داری ہوگی کہ بتیاں اور پنکھے بند کر کے نکلے۔ یہ بات پاکستان بننے سے قبل کی ہے۔ ہمارے ملک میں بجلی کی کمی ہے۔ اس کے باوجود ہم نہ جانے کتنے میگاواٹ تربیت نہ ہونے کے سبب ضائع کر دیتے ہیں۔

اس تربیت کا اثر ہے کہ اب میں دوسروں کے گھروں میں جاؤں تو وہاں بھی فالتو بتیاں اور پنکھے بند کرتا رہتا ہوں۔

16۔ ایچیسن میں ہمارے سینئر ماسٹر ہوتے تھے انور سکندر خان۔ ریٹائر ہوگئے تو کافی عرصہ کے بعد ان کی ملاقات کو گیا تو انہوں نے مجھے اپنے کالج کا ایک واقعہ سنایا۔ فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ اتوار کو چھٹی کے دن انگریز پرنسپل اپنے دفتر میں اکیلا بیٹھا کام میں مصروف تھا کہ دروازے پر ایک لڑکا نمودار ہوا۔ اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اس لڑکے نے پرنسپل کو بتایا کہ میں یہاں گراؤنڈ میں کھیل رہا تھا کہ گیند سے دروازے کا بڑا شیشہ ٹوٹ گیا ہے۔ یہاں کوئی موجود نہیں چنانچہ میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ یہ نقصان مجھ سے ہوا ہے آپ پریشان نہ ہوں۔

انور سکندر خان نے ایک سرد آہ بھر کر کہا کہ وہ لڑکا ہم میں سے نہ تھا۔ انگریز تھا۔ یاد رہے کہ دوسری عالمگیر جنگ میں کچھ انگریز یہاں آئے تو اُن دنوں ان کے بچے ایچیسن میں پڑھتے تھے۔

17۔ اس انگریز پرنسپل نے ہمیں انگریزی پڑھائی۔ بڑے رعب والا تھا۔ ہفتہ میں ایک دن کلاس میں ڈبل پیریڈ لگا کر نیا مضمون لکھواتا۔ اس دوران باری باری ہر لڑکے کے پچھلے مضمون کی اصلاح کرتا۔ ہر غلطی سمجھاتا۔ اس کی اصلاح کرنے کو کہتا۔ پچھلی اغلاط کی تصحیح کی پڑتال کرتا۔

اس کا اصول تھا کہ لاعلمی پر سزا نہ دیتا لیکن لاپرواہی کو کبھی معاف نہ کرتا۔ کہتا تھا پہلی غلطی لاعلمی کی وجہ سے ہے، یہ معاف ہے لیکن اسے دہرایا جائے تو وہ لاپرواہی یعنی Carelessness ہے اور کہتا یہ لفظ میری ڈکشنری میں موجود نہیں۔ لاپرواہی پر سزا دیتا۔

18۔ اس کے مقابلے میں میرا تجربہ پاکستانی معلمین کے بارے میں افسوسناک حد تک مختلف ہے۔ ہم نے بھی شانِ اسلام میں ایک سکول کھولا۔ ایک سینئر ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر کو بطور ٹیچر بھرتی کیا۔ میں نے ایک مرتبہ ایک بچے کی کاپی دیکھی تو صدمہ ہوا۔ اس سینئر ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر نے دو درجن اغلاط میں سے صرف ایک غلطی پر صرف نشان لگایا۔ بچے کو غلطی سمجھائی نہ اصلاح کروائی البتہ ہر صفحہ پر دستخط بلا تکلف کر دیئے۔

اس سکول میں ہم نے وقت کی پابندی کیلئے یہ ضابطہ بنایا کہ ٹیچر حضرات اور بچے سکول کھلنے سے پانچ منٹ پہلے لازماً پہنچ جائیں۔ آٹھ بجے اگر سکول کا وقت ہو تو ٹھیک آٹھ بجے اسمبلی شروع کر دی جاتی اور سکول میں داخل ہونے کا گیٹ بند کر دیا جاتا۔ لیٹ آنے والے گیٹ پر انتظار کرتے۔ یہ ریٹائرڈ سینئر ہیڈ ماسٹر بھی جب لیٹ آتے تو تاخیر سے آنے والے بچوں کے ساتھ کھڑے ہوتے۔ ظاہر ہے زیادہ دیر سکول میں چل نہ سکے۔

19۔ میرے زمانہ ایچیسن میں بچوں کو ماحول صاف رکھنے کی تربیت دی جاتی تھی۔ ان دنوں کلاس روم کے ہر ڈیسک پر سیاہی رکھی جاتی تھی۔ اگر کسی بچہ سے سیاہی فرش پر گر جائے تو اسے حکم ہوتا تھا کہ صفائی کیلئے رکھی ہوئی پانی کی بالٹیوں میں سے ایک بھاگ کر اٹھا لائے۔ بالٹی سے صفائی کا ٹاٹ نکال کر فرش پر سے سیاہی کو سوکھنے سے پہلے صاف کرے۔ فرش کی یہ صفائی میں نے بھی کی ہوئی ہے۔

20- جب ہم سینئر کلاسوں میں پہنچے تو ایک میم صاحبہ نے کچھ دن ہمیں انگلش پڑھائی۔ سینئر کلاسوں میں ماحول بے تکلفی کا ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ میم صاحبہ نے ہم سے پوچھا کہ آپ کو جنسی تعلیم Sex Education کون دیتا ہے۔ ہم نے کہا کوئی بھی نہیں دیتا تو بولی کہ ہمارے ہاں یہ کام ہر ماں کرتی ہے۔ جب بچے بلوغت کی عمر کو پہنچیں تو مائیں بچوں کو سمجھاتی ہیں۔ ہمیں بیالوجی کی کلاس میں کچھ واقفیت ہوئی۔ جنسی تعلیم کو ہائی سکول کے دینیات کے سلیبس میں شامل کیا جانا چاہیئے۔

21- میرا ایک بیٹا انگلستان میں ڈاکٹر ہے۔ 17۔ برس پہلے جب وہ وہاں گیا تو اس کے چھوٹے بچے بھی ساتھ تھے۔ دو تین سال بعد فیملی سمیت پاکستان ملاقات کو آیا۔ تفریح کیلئے یہ سب گاؤں گئے۔ راستہ میں سفر کے دوران سب نے کیلے کھائے۔ ایک بچے سے پوچھا گیا کہ ہم نے تو کیلے کے چھلکے گاڑی سے باہر پھینک دیئے ہیں تم انہیں ہاتھ میں کیوں لئے بیٹھے ہو؟ بچے نے معصومیت سے ایک بے مثال جملہ کہا

''پاکستان میلا ہو جائے گا''

یہ دو سالوں میں برطانوی ماحول کا اثر تھا یا وہاں کی سکول کی تربیت؟

ملازمت میں تربیت: میں ڈیڑھ سال تک سویڈن کی فیکٹریوں میں عملی تربیت حاصل کرتا رہا۔ شروع کے دنوں میں ایک مرتبہ جب چھٹی ہونے پر اپنے ورک بنچ سے

22- جانے لگا تو اتفاقیہ فورمین آ گیا۔ بڑی خفگی سے مجھے کہنے لگا کہ یہ کیا سوروں کا اصطبل چھوڑے جا رہے ہو؟ مجھے برا تو لگا لیکن اس نے مجھے سمجھایا کہ اپنے اردگرد دوسروں کے بنچوں پر نظر دوڑاؤ۔ سب بنچ چھٹی سے قبل صاف کئے گئے ہیں۔ باقی ماندہ سامان یعنی Raw Material کو قرینے سے ایک طرف رکھا گیا ہے۔ کل کام آئے گا۔ اوزار چمکائے گئے ہیں۔ نیچے فرش بھی صاف کیا گیا ہے۔ کیا تم نے ایسے کیا؟ مجھے واقعی بڑی شرم آئی۔

میرے لئے یہ تربیت بہت ضروری تھی کہ ہمارے ہاں کاریگروں کا اب بھی یہی حال ہے۔ ترکھان جب کام ختم کر کے جاتا ہے تو لکڑی کا برادہ فرش پر ہی چھوڑ جاتا ہے۔ کہتا ہے مزدور بلاؤ اور صفائی کرواؤ۔ یہ میرا کام نہیں۔ ہر کاریگر یہی کچھ کرتا ہے۔ ہمارے گھر میں پہلی مرتبہ سوئی گیس لگائی گئی تو کمپنی کے ورکرز نے زمین کو کھودا۔ گیس کی پائپ لگا کر کاریگر کھودے ہوئے گڑھے کو ویسا ہی چھوڑ کر چل دیئے۔ ہمارے بچوں کو بھی تربیت نہیں کہ کھیل کود کے بعد اپنا کھیل کا سامان واپس صحیح جگہ پر رکھیں۔ چنانچہ اگلے دن اپنے کھیل کے سامان کو ہر جگہ تلاش کر رہے ہوتے ہیں۔

23- پاکستان میں میری پہلی ملازمت ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ہوئی تھی۔ مجھے سب سے پہلے ایک ہفتہ کیلئے کمپنی کے ٹریننگ ڈیپارٹمنٹ میں رکھا گیا۔ کمپنی کی تاریخ، اس کے مقاصد اور طریقہ کار پر لٹریچر پڑھنے کو دیا گیا۔ کمپنی کے بارے میں ڈاکومنٹری فلمیں دکھائی گئیں۔ پھر باری باری ہر محکمہ میں شخصی تعارف کیلئے بھیجا گیا۔ جہاں محکمہ کی کارگزاری کے بارے بریفنگ دی گئی۔ ایک ہفتہ کی ابتدائی تربیت کے بعد ہی مجھے وہاں بھیجا گیا جہاں میں نے کام کرنا تھا۔

تربیت کا عمل پھر بھی جاری رہا۔ وقفہ وقفہ کے بعد ٹریننگ ڈیپارٹمنٹ میں ایک ایک ہفتہ کے گروپ ٹریننگ کورسز کروائے جاتے۔ مختلف محکموں سے چھ سات آدمی ان کورسز کیلئے نامزد کیے جاتے۔ ساتھیوں کا آپس میں میل جول ہوتا۔ ایک دوسرے کے مسائل سے آگہی بھی ہوتی ان کورسز میں بتایا جاتا کہ فیکٹری میں ورکرز کیلئے حفاظتی انتظامات کیسے کیے جائیں۔ کام شروع کرنے سے پہلے منصوبہ بندی Planning کیونکر ہو۔ سٹاف کی تربیت کیسے کی جائے۔ ان کی شکایات کو کس طرح نمٹایا جائے وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بعد میں پاکستان کی ایک مشہور کارپوریشن میں آ گیا۔ پاکستان کے اولین برسوں میں پاکستانی کمپنیوں میں بھی ٹریننگ ڈیپارٹمنٹ ہوا کرتے تھے اور تربیت بھی ویسی ہوتی جو ملٹی نیشنل کمپنی میں میں نے دیکھی لیکن آہستہ آہستہ سب ختم ہو گیا۔ اب ایسی تربیت یا ٹریننگ ڈیپارٹمنٹ کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ہم ہر نظام کو برباد کرنے کے ماہر ہیں۔

24- کہنے کو تو ہم اسلامی جمہوریہ پاکستان ہیں لیکن عملاً ہمارا نظام حکومت سیکولر ہی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمیں خلافت راشدہ کے نظام عمل کی سرے سے کچھ واقفیت ہی نہیں۔ ہمارے پارلیمنٹیرینز، بیوروکریٹس، معلمین کو اسلامی طرز حکمرانی کی سوجھ بوجھ ہی نہیں۔ ان کی تربیت ہی

نہیں کی گئی۔اس لئے ان کی کوئی خطا نہیں۔

اس کمی کو پورا کرنے کیلئے ادارہ شان اسلام نے حکمرانوں اور عُمال (بیوروکریٹس) کو اسلامی طرز حکومت سے روشناس کرانے کیلئے اور تربیت دینے کیلئے ایک ادارہ بنایاPIHD۔ پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف ہیومن ڈویلپمنٹ ۔ کچھ کورسز منعقد کیئے گئے ۔لٹریچر تیار ہوا۔اسلام آباد کی رفاہ یونیورسٹی کو یہ پروگرام ایسا پسند آیا کہ انہوں نے اسے اپنے سلیبس میں شامل کرلیا اور PIHD کے روح رواں جناب مرزا ارشد احمد بیگ کو اس پروگرام کا نگران بنادیا۔الحمدللہ۔

25۔ پاکستان جب بنا تو یہاں صنعت وحرفت نام کو نہ تھی۔یہاں صنعت کی بنیاد جناب غلام فاروق نے رکھی۔انہوں نے PIDC بنائی۔اس میں سیمنٹ،شوگر،فرٹیلائزر،شپ یارڈ۔پنسلین کے کارخانے لگائے۔سٹیل مل کے لئے بہت زور لگایا لیکن ان کی کوششیں سیاست کی نذر ہوگئیں۔غلام فاروق کو پاکستانی انڈسٹری کا قائداعظم کہا جاسکتا ہے۔بڑے رعب داب والا شخص تھا۔جلال ایسا تھا کہ عام گفتگو سے اندازہ ہوتا گویا ڈانٹ رہے ہیں۔ان کی تربیت کے دو واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

(الف) کراچی شپ یارڈ میں دورہ پر آئے۔ورکشاپوں کے معائنہ کو نکلے تو راستہ میں زمین پر لوہے کا ٹکڑا پڑا تھا۔اسے اٹھایا اور اپنے ساتھ انجینئر سے رعب سے پوچھا ''وٹ از دِس''؟ جواب ملا سر یہ بولٹ ہے۔پھر کہا تمہیں پتہ ہے کہ میں دنیا بھر سے بھیک مانگ مانگ کر یہ تمہارے لئے لاتا ہوں تم اسے یوں ضائع کرتے ہو۔

اس واقعہ سے متاثر ہوکر میں ایک دفعہ کسی ورکشاپ میں گیا تو ویلڈنگ الیکٹروڈ فرش پر ہر جگہ بکھرے پڑے تھے۔ضائع ہورہے تھے۔کوئی ثابت کوئی نصف استعمال شدہ۔میں نے ٹوکری بھرا کٹھے کرلئے۔ہمارے ہاں تربیت کی کمی کے باعث بہت کچھ ضائع کیا جاتا ہے۔

(ب) ایک سیمنٹ فیکٹری کے دورہ پر منیجر صاحب کے ساتھ نکلے تو ایک جگہ بڑا خوبصورت سبزہ زار دیکھا۔پوچھا یہ کس نے بنایا؟ان کی عام گفتگو میں بھی جلال ہوتا تھا۔منیجر گھبرا گیا سمجھا کوئی غلط کام ہوگیا سرزنش ہوگی۔جھٹ سے جواب دیا۔جناب یہ سول انجینئر کا کام ہے۔فاروق صاحب نے اسی رعب سے جواب دیا۔ Give him 2 increments.

26۔ کراچی شپ یارڈ تو جرمنوں نے بنایا لیکن وہاں کی بڑی فاؤنڈری ورکشاپ میں ایک بوڑھے تجربہ کار انگریز کو مامور کیا گیا۔میں نے اس کے ساتھ کام کیا ہے۔مجھے سمجھانے لگا کہ فیکٹری میں کئی قسم کے کارکن ہوتے ہیں۔ان سب کا دولہا دہ ہے جسے ہم پروڈیوسر Producer کہتے ہیں۔پروڈیوسر وہ کاریگر ہے جو نئے پرزے یا مال تیار کرتا ہے۔یہی تیار شدہ مال تو فیکٹری کا اثاثہ ہے۔مجھے پھر سمجھاتا کہ باقی سارے کاریگر میرے سمیت اس پروڈیوسر کو ہر وہ چیز مہیا کریں جو اسے ضرورت ہو تاکہ اس کا وقت ضائع نہ ہو اور اس کے کام میں کسی قسم کا خلل نہ آنے پائے۔

پھر کہا کہ اگر کوئی خدمت گار غیر حاضر ہوجائے تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔مثلاً میں منیجر ہوں میں بھی خدمت گار ہوں۔اگر میں ایک ہفتہ کیلئے چلا جاؤں تو کام چلتا رہے گا۔البتہ کوئی پروڈیوسر ایک گھنٹہ کام نہ کرے تو پروڈکشن میں اتنی کمی واقع ہوگی اور یہ فیکٹری کا نقصان ہے۔اس لئے پروڈیوسر کی ضروریات پر کڑی نظر رکھا کرو یہ ہر منیجر کی ذمہ داری ہے۔یہ بھی سمجھایا کہ اگر کوئی پروڈیوسر مجھ سے چھٹی مانگے کہ اس کا بچہ بیمار ہے تو میں اسے کہوں گا کہ تم اپنا کام کرو میں اپنی گاڑی تمہارے گھر بھیجتا ہوں۔تمہارے بچہ کو بہترین ڈاکٹر کے پاس بھیجا جائے گا اور خرچہ بھی میرا ہوگا۔تم بس اپنا کام جاری رکھو۔

اس نے یہ بھی سمجھایا کہ اچھے کاریگروں کی کمی ہر جگہ ہے۔اگر کسی فیکٹری میں صرف پانچ فیصد ہی اچھے کاریگر ہوں تو وہ فیکٹری کامیاب ہے۔اس لئے اپنے ہر ورکر کی افادیت کو پہچانو اور صحیح ورکر کی حفاظت دل وجان سے کرو۔کہنے لگا ایسے ورکروں کا میں خادم ہوں کہ ان کے کام کا کریڈٹ مجھے ملتا ہے۔میں یہ نہیں دیکھتا کہ یہ لوگ کتنے مہذب،تعلیمیافتہ ہیں یا صاف ستھرے ہیں، میں تو ان کا محافظ ہوں انکی کارکردگی کی وجہ سے۔

ہمارے ہاں بدقسمتی سے ورکروں سے سلوک میرٹ پر نہیں ہوتا۔ذاتی پسند وناپسند پر فیصلے ہوتے ہیں۔نتیجہ سامنے ہے۔

27۔ ہم نے ایک دفعہ کچھ اپرنٹس بھرتی کئے تو میں نے اس انگریز مینجر سے پوچھا کہ آپ اُس ڈاڑھی والے لڑکے کو بہت پسند کرتے ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ کہا: ٹھیک کہتے ہو۔ اس Bearded core maker کو ایک دفعہ بات کہی جائے تو بالکل ویسے ہی کرتا ہے کسی کمی بیشی کے بغیر۔ واقعی میں نے اب تک یہی دیکھا کہ ایسے آدمی بہت کم ہیں جنہیں ایک ہی مرتبہ کوئی بات کہی جائے تو اس پر عمل ہو۔ اب یہ پتہ نہیں کہ یہ صفت وہبی ہے یا کسبی۔ کیا تربیت اور میرٹ پر عمل درآمد سے اسے پیدا کیا جاسکتا ہے؟

28۔ انگریز مینجر مجھے ایڈمنسٹریشن کے اصول سکھایا کرتا تھا۔ کہتا تھا کہ جو شخص کسی فیکٹری یا کسی جگہ نگران مقرر ہوا سے یہ سمجھنا چاہیے کہ اسے دفتر میں کرسی عزت افزائی کے طور پر ملی ہے۔ ہر وقت بیٹھنے کیلئے نہیں۔ کہتا تھا کہ نگران کا کام ہے کہ اپنے حلقہ نگرانی کا چکر لگاتا رہے۔ کانوں اور آنکھوں کو کھلا رکھو گے تو در و دیوار تمہیں ایسی باتیں بتائیں گے جو تمہیں اپنا فرض نبٹانے میں مددگار ہوں گی۔ اس اصول کا اطلاق ہر جگہ ہوتا ہے۔ سکولوں میں۔ مساجد میں۔ بازاروں میں وغیرہ وغیرہ۔

29۔ میرے ایک باس تھے جو امریکہ سے پڑھ کر آئے تھے۔ امریکہ کی ترقی سے بڑے مرعوب۔ ان کے نوجوان صاحبزادے کبھی کبھار دفتر میں آتے۔ میرے پاس بھی آجاتے۔

ایک دفعہ میں نے ان سے کہا کہ ایک سوال کرتا ہوں ذرا سوچ کر جواب دینا۔ سوال یہ ہے کہ زندگی میں آپ کو سب سے زیادہ کونسی چیز عزیز ہے۔ اتنی عزیز کہ اسکے بغیر آپ زندہ رہنا بھی پسند نہ کریں۔ فوراً جواب دیا میرے والد۔ انہوں نے مجھ پر اتنے احسانات کئے ہیں کہ میں تصور نہیں کرسکتا۔ میں نے کہا کہ آپ نے سوچ کر جواب نہیں دیا۔ اللہ آپ کے والد صاحب کو عمر نوح عطا کرے۔ میں نے پوچھا تھا کہ کیا کوئی ایسی چیز ہے جس کے بغیر آپ زندہ بھی نہ رہنا چاہیں۔

سوچ میں پڑ گئے۔ کچھ دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ اچانک اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی پھر بڑی خوشی سے کہا۔ ''ایمان'' میں نے اس کے جواب کو سراہا پھر پوچھا کہ اگر ایمان اتنا ہی قابل قدر ہے تو اس کیلئے محنت کرنا ہوگی۔ اس وقت ایمان کی افزائش کیلئے محنت کون کر رہا ہے؟ اس کے جواب نے مجھے حیران کر دیا۔ کہنے لگا میرے والد نے میرے ایمان کیلئے کبھی کچھ نہیں کیا۔

حیرت کی بات ہے کہ ایک ماڈرن فیملی کے فرد کے دل کے نہاں گوشہ میں بھی ایمان کی قدر و قیمت موجود ہے۔ سیکولر طرز حیات نے اس جذبہ کو آنکھوں سے اوجھل تو کر دیا لیکن معدوم نہیں کیا۔ ذراسی توجہ دلانے پر اس نوجوان کی سوچ کس طرح بدلی۔ اپنے والد کے معتقد نے کس طرح حسرت سے شکوہ کیا کہ میری متاع حیات کیلئے والد نے کچھ نہیں کیا۔

اس واقعہ سے تربیت کی اثر انگیزی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

<u>میڈیا اور تربیت:</u> یہ میڈیا کا دور ہے۔ میڈیا اتنا طاقتور ہے کہ اسے پارلیمنٹ، انتظامیہ اور عدلیہ کے برابر ملک کا ستون سمجھا جاتا ہے۔ ایک لحاظ سے یہ ان سب سے زیادہ مؤثر اور طاقتور ہے کہ بچے سے لیکر بوڑھے تک، غریب سے لے کر رئیس تک ہر بچہ عورت اور مرد اس کے پنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ دن کا آغاز اخبار بینی سے شروع ہوتا ہے تو رات کو اختتام TV کے غلط پروگراموں پر ہوتا ہے۔

یہ بات افسوسناک ہے کہ میڈیا کا تربیتی نظام منفی ہے۔ جو لوگ تربیت پر مامور ہیں یعنی والدین، اساتذہ، آجر اور علماء وہ تو تربیت کا حق ادا نہیں کر پاتے۔ البتہ میڈیا نے اخلاق بگاڑنے کا ذمہ لیا ہوا ہے۔ کوئی مشہور اداکار یا گلوکار مرجائے تو ملک بھر میں ماتم ہوتا ہے۔ بلکہ بھارت کا کوئی مقبول ایکٹر مرے تو سارا پاکستان میڈیا سمیت سوگوار ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ میڈیا کے بارے میں کیا بات کی جائے۔

<u>تربیت بذریعہ علمائے کرام:</u> 30۔ ہمارے دین کی بنیاد قرآن و سنت ہے۔ سنت میں جینے کا اسلوب سکھایا گیا۔ تربیت دینا مشن نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ قرآن پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا گیا کہ آپ لوگوں کا تزکیہ کرتے ہیں، کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ ہمارے علمائے کرام ورثاء ہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے۔ اس لئے تعلیم و تربیت کی ذمہ داری انہی پر آن پڑتی ہے۔

1964ء میں میری تعیناتی داؤد خیل انڈسٹریل کمپلیکس میں ہوئی۔ مجھے بتایا گیا کہ پندرہ بیس میل دور ایک گاؤں میں ایک عالم دین رہتے

ہیں۔ یہاں کافی لوگ ان کے گرویدہ ہیں اور گروپ کی شکل میں کرایہ کی ویگن پر اکثر ان کے ہاں ان کی زیارت کو جاتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی ان کے ہاں جانے لگا۔

ہم چند لوگ جاتے تو مولانا صاحب اکثر چھوٹی سی مسجد میں تشریف فرما ہوتے اور ایک طالبعلم کو علم دین سکھانے میں مصروف ہوتے۔ بس ایک استاد اور ایک شاگرد۔ ہمیں دیکھ کر مولانا اپنے معمولات پر قائم رہتے۔ ہم لوگ حلقہ باندھ کر خاموشی سے بیٹھ جاتے۔

مولانا جب فارغ ہوتے ہماری طرف متوجہ ہوتے۔ اس دوران ان کے گھر سے چائے بھی آجاتی۔ کچھ دیر خاموشی رہتی پھر خود ہی دین کی باتیں شروع کر دیتے۔ ہم محسوس کرتے کہ ان کی گفتگو کا اکثر موضوع وہی ہوتا جس پر ہم گاڑی میں آتے وقت بحث مباحثہ کر رہے ہوتے۔ ہم اسے ان کی کرامت سمجھتے تھے۔

موقع پا کر ہم اپنے مسائل بھی پیش کرتے مثلاً ہم میں سے کوئی کہتا کہ ملازمت کے دوران میرے ساتھ ناانصافی برتی جاتی ہے۔ کچھ ساتھی مخالفت پر اتر آئے ہیں، نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔

جواباً حضرت مولانا مسکراتے اور فرماتے کہ فاعل حقیقی اللہ پاک کی ذات ہے۔ انسانوں کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں۔ آپ کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ اللہ ہی کی جانب سے ہے۔ انسان تو صرف ذریعہ بنتا ہے اس کے اپنے اختیار میں کچھ نہیں۔ اور اللہ پاک بڑے مہربان ہیں جو کرتے ہیں انسانوں کے فائدے کیلئے ہی کرتے ہیں چاہے اس بات کی سمجھ ہمیں بعد میں آئے۔ مولانا کی ان باتوں سے ہی ہمارے دل اپنے مخالفین کے بارے میں بالکل صاف ہو جاتے اور خواہش ہوتی کہ ہم اپنے مخالفین سے اچھے اخلاق کا برتاؤ کریں۔ محبت سے میل جول رکھیں۔ ان کیلئے دعا کریں۔

یہ ہے تزکیہ کرنا جو مشنِ نبوت ہے۔ اسی طرح احیائے سنت کرنا بھی علماء حضرات کا کام ہے۔ اتباع سنت وہ عمل ہے جس سے اللہ پاک اپنے بندوں سے خوش ہوتا ہے۔

خلاصہ: تربیت مشن نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کہا جا سکتا ہے۔

تربیت کے آداب بھی سمجھا دیئے گئے۔ فرمانِ الٰہی ہے کہ تربیت کیلئے حکمت اور حسن کلام سے کام لیا جائے۔ (النحل 125)

دوسری جگہ فرمایا کہ درگزر کو اپنا شعار بناؤ اچھی بات کی تلقین کرو اور بحث و تکرار سے پرہیز کرو۔ (اعراف 199)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کی جس کا مفہوم ہے کہ غلط کام کو روکا جائے اگر استطاعت ہو ورنہ زبان سے سمجھایا جائے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم اسے دل میں برا سمجھا جائے۔

تربیت کا کام بڑا صبر آزما ہے۔ بچے تو جلدی سے اچھی عادات اپنا لیتے ہیں۔ بڑی عمر کے لوگوں پر بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔ بار بار سمجھانا پڑتا ہے۔ عملی مشق کروانا پڑتی ہے۔

ذمہ دار کون؟ تربیت کی ذمہ داری بنیادی طور پر والدین کی ہے لیکن وہ خود تربیت کے محتاج ہیں۔

دوسرے درجے میں معلمین اور اساتذہ بھی تربیت کرنے پر مامور ہیں لیکن بدقسمتی سے ان کی اپنی تربیت نہیں ہوئی۔

اس کے برعکس میڈیا اور معاشرہ تربیت کرنے کے قابل نہیں۔ وہ تو بگاڑ پیدا کر رہے ہیں۔

ان حالات میں ساری ذمہ داری علماء، مدارس اور مساجد پر آن پڑتی ہے۔ علماء انبیاء کے ورثاء ہیں۔ قرآن اور سنت سے اچھی طرح واقف۔ اس لئے ہماری فلاح اسی میں مضمر ہے کہ علماء اپنا فرض پہچانیں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کے مطابق اپنا فرض ادا کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے ہر موقع کیلئے ہدایات دی ہیں۔ لیکن علماء معاشرہ کی خامیوں کو دور کرنے کیلئے سنت رسول کے مطابق تعلیم نہیں دیتے مثلاً کبھی کسی عالم دین نے ہمیں مسنون ٹریفک قوانین کی تربیت دی ہے؟ یا وقت کی پابندی کے بارے میں بتایا؟

حرفِ آخر: **اللہ پاک نے کلام پاک میں (آل عمران 110) امتِ مسلمہ کو خطاب فرما کر اس امت کو یہ اعزاز بخشا کہ تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کی بھلائی کیلئے بھیجا گیا۔**

اس عظیم الشان اعزاز کی وجہ یہ بتائی گئی کہ تم اللہ پر ایمان رکھنے کے علاوہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو یعنی اچھی بات کی تلقین کرتے ہو برے کاموں سے روکتے ہو۔ اس امت کی پہچان یہی ایمان باللہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

ہماری تو یہ ذمہ داری ہے کہ دنیا بھر میں اصلاح کی کوشش کریں۔ لیکن سب سے پہلے تو یہ تربیتی پروگرام اپنے گھر میں، سکول میں، بازاروں اور دفتروں میں نافذ کرنا ہوگا۔ ہمارے علماء کا کام ہے کہ تربیت کو اولین ترجیح دیں کیونکہ یہ کام نہ وہ خود کر رہے ہیں اور نہ کوئی اور کر رہا ہے۔ علماء کے علاوہ کسی اور کو اس کی سمجھ بھی نہیں۔

ہم لوگ اچھی تربیت کے نہ ہونے کے سبب بدنام ہوئے۔ تربیت ملے تو ہم وہ اعزاز حاصل کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس امت کیلئے مخصوص کیا ہے۔

وآخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین ٥